انٹرویـــو

شدت پسندی کی آگ کوصوفیہ ہی بجھا سکتے ہیں

منہاج القرآن یونیورسٹی، لاہور کے استاذ ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی سے خصوصی گفتگو

ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی کا شمار اُن لوگوں میں ہوتا ہے جنہیں ربِ کریم کی بارگاہ سے علم اور تصوف کی وافر خیرات ملی ہے، آپ کو اللہ نے علوم عقلیہ ونقلیہ کے ساتھ ساتھ عربی، فارسی، اردو اور پنجابی زبان وادب پر عالمانہ مہارت عطا فرمائی ہے، آپ کو علوم اسلامیہ میں مہارت حاصل کرنے کا جذبہ اپنے والد علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ سے ورثے میں ملی ہے- آپ جدید وقدیم اسلوب تدریس وتحقیق کا تجربہ رکھتے ہیں، ایم فل اور بی ایس عربی واسلامیات کے کثیر مقالہ جات کی نگرانی کر چکے ہیں- آپ نے انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں ایم اے عربی کے لیے ''**اساليبُ القَسم في القُرآنِ الكريمِ دراسةٌ نحويةٌ**'' اور الازہر یونیورسٹی میں ''**الشيخ احمد رضا شاعر أعربياً**'' کے عنوان سے ایم اے عربی زبان وادب کے لیے مقالہ لکھا- آپ نے کچھ عرصے قبل اپنے والد گرامی علامہ شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''اندھیرے سے اجالے تک'' کا عربی ترجمہ '**البريلوية مالها وما عليها (دراسة وتحقيق)**'' کے نام سے کیا ہے، جو طباعت کے مرحلے میں ہے- اس کے علاوہ غوث صمدانی، حضرت سید عبدالقادر جیلانی کی نادر عربی تصنیف: **مَوْلِدُ النَّبِي** ﷺ کا ''جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند'' کے عنوان سے پہلا اردو ترجمہ کیا ہے جو عربی متن کے ساتھ صفہ فاؤنڈیشن، لاہور کے زیر اہتمام شائع ہو چکا ہے- آپ نے حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کی فارسی تصنیف 'مرقع کلیمی' کا اردو ترجمہ بھی کیا، جو خانقاہ معظمیہ، سرگودھا سے شائع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہے- آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ہم نے آپ سے گفتگو کی، اس گفتگو کے خاص اقتباسات قارئین کی نذر ہیں- [**ادارہ**]

جام نور: سب سے پہلے تو آپ اپنے بارے میں کچھ بتائیں؟

ڈاکٹر سدیدی: ۸ دسمبر ۱۹۶۶ء کو ربِّ کریم کے کرم سے میری آنکھ ایک ایسے گھرانے میں کھلی جس میں شرف ملت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمہ اللہ تعالی جیسے سراپا شفقت والد کا سایۂ عاطفت ملا، صوم وصلوٰۃ کی پابند، درود وسلام اور تلاوتِ قرآن کا ذوق وشوق رکھنے والی عظیم ماں کی آغوش نصیب ہوئی- والد گرامی نے ہماری تربیت اپنی زبان سے زیادہ اپنے عمل کے ذریعے فرمائی، میں نے زندگی بھر اُن کی شخصیت میں اخلاص، تقوی اور عجز وانکسار ہی دیکھا، اُن کے قول وفعل میں کبھی تضاد نہ دیکھا، اُن کی خلوت اور جلوت میں خوف خدا کا پہرہ تھا، اُن کے اِس تقوی، طہارت اور خدا خوفی کی بنیاد اُن کے عظیم والدین مولانا اللہ دتا اور ماں جی رابعہ بی بی نے رکھی- مولانا اللہ دتا رات کے آخری پہر میں بستر چھوڑ کر مسجد چلے جاتے اور بقیہ رات اللہ تعالی کی یاد اور ذکر وفکر میں وہیں گزارتے، علما اور مشائخ کی خدمت میں ذوق وشوق سے حاضری دیتے اور اپنی مختصر آمدنی کے باوجود نہایت محبت و احترام سے نذرانہ پیش کرتے- ماں جی رابعہ بی بی انتہائی صابرہ شاکرہ خاتون تھیں، قرآن کی محبت اُن کے انگ انگ میں رچی بسی تھی، وہ فالج کی مریضہ تھیں، چلنا پھرنا تو دور کی بات ہے وہ اٹھ کر بیٹھ بھی نہ سکتی تھیں، مگر دیگر اوراد ووظائف کے علاوہ قرآنِ کریم کی تلاوت بہت پابندی سے کیا کرتی تھیں، رمضان المبارک میں تلاوت قرآن میں حیرت انگیز حد تک اضافہ ہو جاتا تھا، اٹھارہ سے بیس مرتبہ قرآن کریم کی تلاوت

کرلیتیں-حضرت شرف ملت نے اخلاص کی قوت سے کم وسائل میں بھی عظیم علمی خدمات سرانجام دیں، وہ بدترین حالات میں بھی کبھی مایوسی کو اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیتے تھے،صرف یہی نہیں بلکہ اُنہوں نے ہمیشہ اپنے احباب کے پست ہوتے ہوئے حوصلوں کو بھی بلندیوں سے آشنا کیا، وہ ہمیشہ افراط وتفریط سے دور اور اعتدال کے راستے پر گامزن رہے-میں نے جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں دینی تعلیم حاصل کی ، ۱۹۸۷ء میں دورۂ حدیث کیا، قبولیت کے لحات میں حاصل ہونے والی والدگرامی کی ایک دعا کی برکت سے ۱۹۹۴ء میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد سے ایم اے عربی کیا، اِس دوران عرب اساتذہ سے بھرپور استفادہ کرنے کا موقع ملا، پھر فروری ۱۹۹۶ء میں عالم اسلام کی قدیم ترین اور عظیم درس گاہ جامعہ ازہر، قاہرہ میں داخلہ لیا، وہاں سے عربی زبان وادب میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی-نیز علم کا نور، فکر کی وسعت اور عربی زبان کی حلاوت دامن دل میں سمیٹ کر ۲۰۰۵ء میں پاکستان واپس آیا-

جام نور: والدگرامی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کا کیا معاملہ ہے؟

ڈاکٹر سدیدی: ہوا یوں کہ درس نظامی کی تعلیم کے دوران ایک مرتبہ کم عمری اور بچپن کی وجہ سے میں والدگرامی سے عرض گزار ہوا: ''میں درس نظامی کی مزید تعلیم حاصل نہیں کرنا چاہتا-'' والدگرامی نے میری یہ بات سنی تو اُنہیں شدید دھچکہ لگا، کیوں کہ مجھ سے پہلے میرے ایک چچا درس نظامی سے برگشتہ ہو چکے تھے، جب کہ ایک تایا زاد بھائی درس نظامی مکمل کرنے کے بعد اِس شعبے سے الگ ہو چکے تھے-میری بات سن کر حضرت والدگرامی شدید ترین کرب سے دوچار ہوئے، مگر فوراً ہی سنبھل گئے اور شفقت سے بھرپور لہجے میں مجھ سے پوچھا: ''پھر کیا کرنا چاہتے ہو؟'' میں نے گزارش کی: ''کالج اور یونیورسٹی میں پڑھنا چاہتا ہوں-'' تب اُنہوں نے فرمایا: ''بیٹا میری خوشی کی خاطر ایک مرتبہ درس نظامی مکمل کرلو، پھر کہو گے تو میں آپ کو انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد میں تعلیم دلوادوں گا، مزید کہو گے تو الازہر یونیورسٹی ،قاہرہ بھیج دوں گا-'' میرے دل میں ایک لمحے کے لیے خیال آیا کہ والدگرامی کے مالی وسائل میرے سامنے ہیں، وہ اسلام آباد اور قاہرہ میں کیسے تعلیم دلائیں گے؟ مگر اللہ تعالی کی رحمت شاملِ حال ہوئی اور میں نے اُس کی توفیق سے والد صاحب کی آرزو کے سامنے سرتسلیم خم کردیا اور پھر اللہ نے اپنے ایک بندے کے لفظوں کی یوں لاج رکھی کہ میں نے دونوں یونیورسٹیز میں تعلیم حاصل کی- ایک وقت وہ تھا اور ایک وقت یہ ہے کہ جب میں والدگرامی کے اُن شاگردوں کو دیکھتا ہوں جو صبر واستقامت کے پیکر، عزیمت کے راستے پر گامزن اور دنیاوی آسائشوں کو ٹھکرا کر مسند تدریس کی زینت ہیں تو اُن عظیم لوگوں کے احترام میں میرا سر جھکتا چلا جاتا ہے- الازہر یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران بعض اوقات شدید ترین مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، مگر والدگرامی اور مرشد کریم کی دعاؤں کی برکت سے ہر مشکل آسان ہوگئی-مؤرخہ ۹ فروری ۱۹۹۶ء کو جب میں مصر کے لیے روانہ ہوا تو والدگرامی رحمہ اللہ تعالی نے مجھے فرمایا: میں گھر والوں سے کہوں گا کہ اگر 'الازہر' میں ممتاز احمد کی تعلیم کے دوران مجھے کچھ ہو جائے تو پھر بھی اس کی تعلیم کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پائے-اللہ کا کرم اِس شان سے شامل حال ہوا کہ والدگرامی کی زندگی میں ہی مجھے الازہر یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی مل گئی اور آپ دو مرتبہ مصر بھی تشریف لائے-۲۵ جولائی ۱۹۹۹ء کو عربی زبان وادب میں ایم-اے کے لیے لکھے گئے میرے مقالے کا مناقشہ (Viva) ہوا، حضرت والدگرامی اُس میں تو شریک نہ ہوسکے، مگر مناقشہ کے بعد ۶ ستمبر ۱۹۹۹ء کو قاہرہ پہنچے، تقریباً سترہ روز قیام فرمایا، شیخ الازہر ڈاکٹر محمد سید طنطاوی رحمہ اللہ تعالی اور کثیر ازہری علما اور مشائخ سے ملے-۱۵ فروری ۲۰۰۴ء کو دوبارہ مصر تشریف لائے، اگلے دن پی ایچ ڈی عربی زبان وادب کے لیے پیش کئے گئے میرے مقالے کا مناقشہ (Viva) تھا، تب آپ میری آنکھوں کے سامنے سامعین کے درمیان تشریف فرما تھے، یہ میرے لیے اتنی بڑی خوشی کی بات تھی کہ اِس کیفیت کو بیان کرنے کے لیے مجھے الفاظ نہیں ملتے-

جام نور: آپ 'سدیدی' کس نسبت سے لکھتے ہیں؟

ڈاکٹر سدیدی: اِس عاجز نے عہدِ حاضر کی ایک ذی علم اور صاحب حال شخصیت حضرت خواجہ غلام سدید الدین رحمہ اللہ تعالی سے ۱۹۸۷ء میں سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت کا شرف حاصل کیا-آپ درسیات میں اعلی درجے کی مہارت رکھتے تھے، آپ کو فلسفہ ومنطق اور دیگر عقلی علوم سے بے حد دلچسپی تھی، یہاں تک کہ زمانۂ طالب علمی میں آپ نے

منطق کا نصاب دوبار پڑھا، منطق کی کتاب ''حمد اللہ'' اور فن مناظرہ کی کتاب ''رشیدیہ'' اپنی دلچسپی کے پیش نظر آپ نے تین تین بار سبقاً پڑھیں۔ آپ شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کی نیاز مندانہ نسبت اور خلافت کی نعمت رکھتے تھے۔ آپ کو خیرآبادی دبستانِ منطق وفلسفہ سے نسبت پر بہت ناز تھا۔ محفل سماع میں وجد کی کیفیت طاری ہوتی تو آپ کا ضبط قابل دید ہوتا تھا، سیال شریف میں منعقد ہونے والی اعراس کی مجالس میں کئی مرتبہ شدّتِ ضبط کی وجہ سے بیہوش ہوگئے۔ مرشد کریم رحمہ اللہ تعالیٰ کو رنگِ تغزل رکھنے والے سینکڑوں اردو، فارسی اور پنجابی عرفانی اشعار ازبر تھے، خصوصی طور پر حضرت امیر خسرو رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام پسند تھا۔ آپ عشقِ الٰہی اور حبّ رسول ﷺ کی نعمت کے باعث سریع البکاء اور کثیر البکاء شخصیت اور مثالی ضبط کے مالک تھے تھے، آپ کو یہ سوز وگداز اپنے جد امجد حضرت خواجہ معظم دین رحمہ اللہ تعالیٰ اور اپنے والد گرامی حضرات خواجہ محمد حسین رحمہ اللہ تعالیٰ سے ورثے میں ملا تھا، اور اِن دونوں حضرات کو یہ نعمت اپنے پیر خانہ (سیال شریف) سے عطا ہوئی تھی۔

میرے مرشد ۷افروری ۱۹۸۹ء بروز جمعہ واصل بحق ہوئے۔ ان ہی کی نسبت غلامی سے 'سدیدی' لکھتا ہوں۔

جام نور: اعلیٰ تعلیم کے لیے پاکستان میں بڑے ادارے موجود تھے، پھر آپ نے جامعہ ازہر (قاہرہ) کا ہی انتخاب کیوں کیا؟ اور وہاں تعلیمی تجربات کیسے رہے؟

ڈاکٹر سدیدی: یقیناً پاکستان میں اعلیٰ تعلیم کے ادارے موجود تھے، مگر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں تعلیم کے پانچ سالہ عرصے کے دوران مختلف تخصصات کے حامل اساتذہ کے محاضرات (لیکچرز) سے علم وحکمت کی پھوٹتی کرنیں دیکھیں تو دل میں قاہرہ جاکر 'الازہر یونیورسٹی' کے عظیم اساتذہ سے اکتساب علم کا شوق موجزن ہوگیا، ۱۹۹۴ء میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد سے ایم اے عربی کے تین سالہ نصاب تعلیم اور دوسالہ ریسرچ ورک کی تکمیل کے بعد دل میں الازہر یونیورسٹی جانے کا اشتیاق تو تھا، مگر دور دور تک اِس خواب کی تعبیر کے آثار دکھائی نہ دیتے تھے۔ میں بھی حضرت والدِ گرامی کو اُن کا وعدہ یاد دلائے بغیر جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں تدریسی فرائض سرانجام دیتا رہا، پھر وہ لمحہ بھی آگیا جس کا میں خاموشی سے منتظر تھا۔ ایک دن مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا: ''الازہر جانا چاہتے ہو؟'' میں نے کسی تردد کے بغیر سے مثبت جواب عرض کیا تو حضرت مفتی صاحب نے فرمایا: ''وزارتِ تعلیم سے یہ لیٹر آیا ہے، اِس ایڈریس پر اپنے کاغذات بھیجو۔'' اسکالرشپ کے لیے کچھ عرصہ کوشش کے بعد کامیابی حاصل ہوئی اور جب میں ۱۹۹۶ء میں الازہر یونیورسٹی، قاہرہ پہنچا تو علوم وفنون کی ایک نئی دنیا دیکھنے کو ملی، ازہری علما صرف تفسیر، حدیث، فقہ، عربی ادب، صرف ونحو کے عالم ہی نہیں بلکہ وہ احوال زمانہ سے بھی پوری طرح باخبر ہیں۔ ہمارے یہاں علوم القرآن اور فن تفسیر کے علاوہ حدیث اور اصول حدیث کو جس سرسری انداز میں پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے وہ الازہر یونیورسٹی کے شعبۂ علوم الحدیث اور شعبۂ علوم القرآن کو دیکھنے کے بعد بہت افسوسناک معلوم ہوا۔ الازہر یونیورسٹی کے کلیہ اصول الدین میں بی اے اور ایم اے لیول پر تصوف کی تعلیم دی جاتی ہے، تصوف کے حوالے سے کلیہ اصول الدین، کلیہ دراسات اسلامیہ، کلیہ لغہ عربیہ میں ایم اے اور پی ایچ ڈی لیول کے بیسیوں مقالہ جات لکھے جاچکے ہیں۔ علاوہ ازیں جدید موضوعات مثلاً: اعضا کی پیوند کاری، اسٹاک ایکسچینج، انشورنس، اسلامک بینکنگ سسٹم، اے ٹی ایم کارڈ، ای ٹریڈنگ، کتاب وسنت اور عربی ادب پر مستشرقین کے اعتراضات اور اِس طرح کے کثیر موضوعات پر ازہری مقالہ نگاروں نے تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ الازہر یونیورسٹی نے مکالمہ بین المذاہب کے لیے ''**لجنة الحوار بين الاديان**'' کے عنوان سے باقاعدہ ایک کمیٹی قائم کررکھی ہے جو مختلف سیمینارز میں غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی صحیح تعلیمات پیش کرتی ہے۔ اعتدال اور رواداری کے حوالے سے تحقیقی مقالہ جات کے علاوہ اہل علم کی کثیر کتب بھی مصری مکتبوں میں دستیاب ہوتی ہیں، جب کہ ہمارے ہاں دینی تعلیم تو روایتی ڈگر پر گامزن ہے ہی، مگر انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان اور اسلامی دنیا میں اسکول، کالج اور یونیورسٹی ایجوکیشن جن بنیادوں پر استوار ہے وہ بھی عصر حاضر کے جدید ترین تعلیمی اسالیب اور صحیح اسلامی و نظریاتی بنیادوں سے محروم ہے۔ ہمارے عصری تعلیمی اداروں پر یا تو لبرل ازم مسلط ہے یا شدت پسندی غالب ہے، اس وجہ سے اسلامی دنیا

میں کہیں ''ابلہانِ مسجد'' اور کہیں ''فرنگی تہذیب کے فرزند'' مؤثر حیثیت میں نظر آتے ہیں، علمی، نظریاتی اور تحقیقی بنیادوں پر استوار نظام تعلیم کے حوالے سے الازہر یونیورسٹی کو دنیا بھر کے تعلیمی اداروں میں منفرد مقام حاصل ہے-

جام نور: آپ نے 'الازہر یونیورسٹی' میں تعلیم کے دوران قائد انقلاب، امام الحکمۃ علامہ فضل حق خیر آبادی کی عربی شاعری پر پی ایچ ڈی کی ہے، کوئی خاص وجہ؟

ڈاکٹر سدیدی: والد گرامی حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نے اپنی ادبی زندگی میں پہلا مضمون قائد تحریک آزادی، علامہ فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالی کے حوالے سے لکھا تھا، جو ماہنامہ 'ترجمانِ اہل سنت' کراچی فروری ۱۹۷۲ء کے شمارے میں شائع ہوا، پھر حضرت والد گرامی نے علامہ خیر آبادی کی علمی، ادبی اور مجاہدانہ شخصیت اور آپ کی علمی خدمات کے حوالے سے تاریخی اہمیت کے کئی حامل کام کیے، کئی لوگوں کو حضرت علامہ خیر آبادی رحمہ اللہ تعالی کے حوالے سے تحقیقی کام میں رہنمائی اور مشاورت دی (اِن امور کی تفصیل ایک مفصل مضمون میں سپرد قلم کی جا چکی ہے)- جب اللہ تبارک وتعالی کی توفیق سے الازہر یونیورسٹی کے کلیہ دراسات اسلامیہ میں عربی زبان وادب اور تنقید نگاری کے سبجیکٹ میں مجھ عاجز کو پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھنے کا موقع ملا تو میں نے حضرت والد گرامی کی رہنمائی میں ہی ''**العلامه محمد فضل الحق الخير آبادی، حياته وشعره العربی: دراسة تحليلية نقدية**'' کے عنوان سے خاکہ پیش کیا جسے بورڈ آف اسٹڈیز (**مجلس القِسم**) فیکلٹی بورڈ (**مجلس الكُليّه**) اور بورڈ آف ایڈوانس سٹڈیز (**مجلِس الجَامعَه**) سے منظوری حاصل ہوئی، الحمدللہ یہ مقالہ نہ صرف مقررہ مدت میں مکمل ہوا بلکہ وائیوا کمیٹی میں شامل اساتذہ نے علامہ خیر آبادی رحمہ اللہ تعالی کی شخصیت اور شاعری کے حوالے سے تحسین کے کلمات ارشاد فرمائے- میرے لیے بہت اعزاز کی بات تھی کہ وائیوا کے دوران والد گرامی بھی سامعین کے درمیان تشریف فرما تھے، وائیوا کے بعد اُنہوں نے بہت مسرت کے ساتھ فرمایا: میں نے علامہ خیر آبادی رحمہ اللہ تعالی کی شخصیت پر ایک مضمون کے ذریعے جس کام کا آغاز کیا تھا، پھر اُن کی شخصیت اور علمی خدمات کے احیا کی جو کوششیں کی تھیں، الحمدللہ کہ آج میں نے اُس کا عروج دیکھ لیا ہے- اُس وقت اُن پر خوشی، تشکر اور رقت کی کیفیت طاری تھی، مجھے بھی بے انتہا خوشی تھی کہ حضرت والد گرامی کا مجھ سے وعدہ پورا ہو گیا- حضرت والد گرامی رحمہ اللہ تعالی کی خوشی کے وہ ایام میرے لیے حاصل زندگی ہیں- ایک دن میری اِس کامیابی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اُن پر گریہ طاری ہو گیا، میں حیرت میں ڈوبا ہوا خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا، تب انہوں نے خود ہی فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو اتنی عظیم کامیابی عطا فرمائی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری اِس کامیابی کی صورت میں میرے عمر بھر کے اعمال کا بدلہ دنیا میں ہی دے دیا گیا ہو-'' تب میں ہمت مجتمع کر کے یوں عرض گزار ہوا: ''اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے، وہ آپ کو دنیا اور آخرت میں بہترین اجر عطا فرمائے گا-'' جب میں نے شہید بغداد علامہ اُسید الحق قادری رحمہ اللہ تعالی کی کتاب ''خیر آبادیات'' اور آپ کی تصنیف: ''علامہ فضل حق خیر آبادی، چند عنوانات'' دیکھیں تو حضرت والد گرامی بہت یاد آئے، اگر وہ زندہ ہوتے اور یہ دونوں کتابیں دیکھتے تو بہت خوش ہوتے اور آپ دونوں کو بہت دعاؤں سے نوازتے- آپ نے بہت عمدہ طریقے سے حضرت علامہ خیر آبادی کو خراج عقیدت پیش کیا، اللہ آپ کو سلامت رکھے اور آپ کی تحریروں کو امت کے لیے نفع مند بنائے-

جام نور: تعلیم سے فراغت کے بعد جب آپ نے پاکستان میں عملی زندگی میں قدم رکھا تو آپ نے کن خطوط پر کام کا آغاز کیا اور اب تک آپ کو کتنی کامیابی ملی؟

ڈاکٹر سدیدی: والد گرامی کی دعاؤں، رہنمائی اور لگن کی بدولت اللہ تعالی نے مجھ عاجز کو عربی زبان وادب کا وہ فہم عطا فرمایا جس پر میں اپنے کریم ربّ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے، والد گرامی کے پاس بعض عرب شیوخ کی آمد ورفت رہتی تھی، میں اُن کے ساتھ حضرت والد گرامی کے علمی تبادلۂ خیال کو دیکھتا تو دل میں عربی سیکھنے کا جذبہ موجزن ہو جایا کرتا تھا، پانچ سال انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد اور آٹھ سال الازہر یونیورسٹی میں تعلیم پانے کے بعد ذہن میں بہت سے خاکے بنے تھے، حضرت والد گرامی رحمہ اللہ تعالی نے کئی خطوط پر کام کرنے کی نصیحت اور وصیت فرمائی تھی مگر ہمارے ہاں خوش الحانی اور شعلہ بیانی کو جو اہمیت حاصل ہے وہ علمی تحقیقات اور محققین کو نصیب نہیں، بہر حال

اپنے وژن اور اپنی بساط کے مطابق مصروفِ عمل ہوں، منزل بہت دور ہے مگر معلوم نہیں کہ زندگی کا کتنا سفر باقی ہے- علمائے اہل سنت کا عربی تذکرہ، عربی میں برصغیر پاک و ہند کے منتخب صوفیہ کی شخصیات اور اُن کی تعلیمات کا تعارف، عرب دنیا میں اقبالیات کے حوالے سے مؤثر علمی و تحقیقی کام، تصوف کے حوالے سے عرب دنیا کی تحقیقات کا اردو ترجمہ، استشراق اور مستشرقین کے حوالے سے عرب محققین کی کاوشوں کا اردو ترجمہ، تخریج حدیث کے حوالے سے عرب علما کی کتب کا اردو داں طبقے میں تعارف اور اس طرح کے دیگر موضوعات کے حوالے سے دعا اور آرزو ہے کہ اللہ مجھے اور دیگر ازہری گریجویٹس کو یہ علمی کام کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے- اِن خطوط پر روایتی جذباتی انداز میں نہیں، خالصتاً علمی اور تحقیقی اسلوب میں کام کی ضرورت ہے-''**انوار الفرقان فی ترجمة معانی القرآن**'' پر حضرت والد گرامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے وژن کے مطابق مختصر حاشیہ کے علاوہ قدرے تفصیل سے قرآن کریم کی عربی تفسیر لکھنے کی آرزو بھی دل میں ہے- یہ سب کچھ مجھ پر ایک اخلاقی قرض ہے، دعا فرمائیں اللہ کریم مجھے ہمت، زندگی اور توفیق عطا فرمائے-

جام نور: آپ نے عرب اساتذہ سے عربی سیکھی ہے، یہ بتائیں کہ عجمی ماحول میں رہ کر عربی تحریر اور بول چال کو کیسے بہتر کیا جاسکتا ہے؟

ڈاکٹر سدیدی: اِن دونوں مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے چار چیزیں بہت ضروری ہیں، عربی بولنا، سننا، پڑھنا اور لکھنا- پہلے ایک مشکل یہ پیش آتی تھی کہ غیر عرب ملک میں رہتے ہوئے عربی ماحول تک رسائی کیسے حاصل کی جائے؟ عربی لہجہ کیسے سنا جائے؟ مگر اب یہ مشکل کافی حد تک آسان ہوگئی ہے، اب انٹرنیٹ اور واٹس ایپ کے ذریعے عربوں سے بات چیت ہوسکتی ہے، انٹرنیٹ ہی کے ذریعے عربی چینلز سے خبریں، مذاکرے اور حالات حاضرہ پر تبصرے سنے جاسکتے ہیں، انٹرنیٹ کی مختلف سائٹس پر سید یوسف ہاشم الرفاعی، ڈاکٹر احمد عمر ہاشم، حبیب عمر عبدالحفیظ، حبیب علی جفری مدظلہم العالی، سابق شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود، شیخ محمد متولی شعراوی، محدث الحجاز ڈاکٹر سید محمد علوی مالکی، شہید محراب ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر عرب علما و مشائخ کے ایمان افروز خطابات سن کر ہم اپنے لہجوں میں عربیت لاسکتے ہیں، نیز فکر و اعتقاد کی پختگی بھی حاصل کرسکتے ہیں- ایک مرتبہ کویت سے سید یوسف ہاشم الرفاعی لاہور تشریف لائے، حضرت کے خطاب کے دوران اُن کے لہجے کی حلاوت مجھ پر اِس قدر اثر انداز ہوئی کہ میں کچھ دیر کے لیے واقعتاً بے خود اور اُن کے لہجے کی چاشنی میں محو ہوگیا، میں سوچ رہا تھا: اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے ایک فرد کی گفتگو اِس قدر مؤثر ہے تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے ہوں گے تو صحابۂ کرام کی کیا کیفیت ہوتی ہوگی؟ علاوہ ازیں نیٹ پر علمی، دینی، ادبی، معاشرتی موضوعات پر کتابیں بھی دستیاب ہیں- میں ۲۰۰۵ء میں جب مصر سے واپسی کی تیاری کررہا تھا تب مجھے یہ سوچ کر شدید پریشانی لاحق ہوئی کہ اب عربی اخبارات، مجلّات اور مصری اسکالرز کے علمی اور ادبی لیکچرز دسترس میں نہیں رہیں گے، مگر واپس آنے پر انٹرنیٹ نے یہ کمی پوری کردی اور اب میں عربی زبان و ادب کا ذوق رکھنے والے دوستوں کو بھی انٹرنیٹ سے استفادے کی تلقین کیا کرتا ہوں- ہمارے ہاں جو احباب عربی میں لکھتے ہیں یا اردو سے عربی میں ترجمہ کرتے ہیں وہ عربی میں افعال کے ساتھ اردو زبان کے مطابق ''صلات'' (Prepositions) لے آتے ہیں، حالاں کہ عربی کے "**صِلاتُ الافعال**" اور ہیں، جب کہ اردو کے صلے اور ہیں، نیز ہمارے عربی لکھنے والے بعض حضرات لفظی ترجمہ کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، حالاں کہ مفہوم بیان کیا جانا چاہیے، علاوہ ازیں کوئی مفصل اردو عربی ڈکشنری دستیاب نہ ہونے سے بعض اوقات عربی میں کچھ لکھتے ہوئے دِقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا، مگر اب گوگل اور دیگر ویب سائٹس نے ترجمہ کی سہولت مہیا کررکھی ہے جس سے یہ مشکل بھی آسان ہوگئی ہے، انگلش عربی ڈکشنری ''**المَورِدْ**'' سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے- میں عربی میں لکھنے والے احباب سے بہت ادب سے گزارش کروں گا کہ وہ عربی لکھتے ہوئے مقامات حریری کا اسلوب اختیار نہ کریں، سجع اور قافیہ کے لیے تکلف سے کام نہ لیں، جملوں میں سلاست اور روانی کا اہتمام کریں اور ابلاغ (Communication) کو ہر چیز پر ترجیح دیں- عربی تحریر میں سلاست پیدا کرنے کے لیے ڈاکٹر طہ حسین، عباس العقاد، منفلوطی اور عرب دنیا کے دیگر نثر نگاروں کی تحریریں پڑھی جائیں، محاورات اور تعبیرات نوٹ کی جائیں تو ہم عربوں کے لہجے سے کسی حد تک قریب ہوسکتے ہیں- اِس حوالے سے

علامہ اُسید الحق بدایونی کی کتاب ’’عربی محاورات مع ترجمہ وتعبیرات‘‘ سے مدد لی جاسکتی ہے- میں اب بھی استادِ محترم ڈاکٹر رزق مرسی ابوالعباس رحمہ اللہ تعالی اور دیگر عرب ادیبوں کی عربی پڑھتا ہوں تو اپنے آپ کو طفل مکتب محسوس کرتا، جب بھی عربی لکھتا ہوں تو اُسے بار بار پڑھتا اور درست کرتا ہوں، دوست احباب سے بلاتکلف مشورہ بھی کرلیتا ہوں، ابھی تک عربی سیکھ رہا ہوں اور عمر بھر سیکھتا رہوں گا-

جام نور: خانقاہی نظام کا احیا کیسے ممکن ہے اور اِس نظام کو فعال کیسے کیا جاسکتا ہے؟

ڈاکٹر سدیدی: ایک مستشرق نے کہا تھا: جب بھی سیاسی اسلام خطرے میں پڑا ہے صوفی اسلام اُس کی مدد کے لیے آگیا- سقوط بغداد کے بعد ایک درویش کے ہاتھوں چنگیز خان کے پوتے برکی خان کا اسلام قبول کرنا اور کچھ عرصے کے بعد حرمین شریفین کا دفاع کرنا، اِس دعوے کی بہترین دلیل ہے- اقبال نے فرمایا تھا:

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

عصر حاضر میں اسلامی دنیا میں جدھر بھی نظر دوڑائیں، سیاست، معیشت، معاشرت اور تہذیب وثقافت جیسے تمام شعبے زوال کے شکار نظر آئیں گے- ایسے میں نگاہیں اُجلے کردار، عمدہ اخلاق اور رواداری کے پیکر صوفیائے کرام کو ڈھونڈتی پھرتی ہیں، جن کے حسن التفات سے دلوں کی دنیا میں انقلاب برپا ہوجائے- آج بھی خانقاہی لوگ امت کو زوال کے گڑھے سے نکالنے میں اہم کردار ادا کرسکتے ہیں- ایک موقع پر ہمارے فاضل دوست، علامہ خان محمد قادری نے فرمایا: ’’صوفیہ کی خدمات اور تصوف کا انکار کرنے والوں نے امت کو شدت پسندی کے علاوہ کیا دیا ہے؟ یہ صوفیائے کرام ہی ہیں جو دلوں میں رقت، انسان دوستی اور نفی ذات کا نقش ثبت کرتے ہیں-‘‘ نادان اور جذباتی دوستوں کی لگائی ہوئی شدت پسندی کی آگ کو حکمت، دانش مندی، برداشت اور رواداری سے آشنا صوفیہ ہی بجھا سکتے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ کوئی حضرت غریب نواز، حضرت محبوب الٰہی، حضرت جہانگیر اشرف سمنانی، حضرت داتا گنج بخش ہجویری، حضرت بابا فریدالدین گنج شکر اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہم اللہ تعالی کے نقش قدم پر چلنے والا ہو تو سہی، ماحول آج بھی بدل سکتا ہے- آج صرف مسلمانوں ہی کو نہیں انسانیت کو تصوف کی ضرورت ہے، آج بھی اگر خانقاہی نظام میں کچھ اصلاحات کرلی جائیں تو نہ صرف امت مسلمہ کے سر سے مصائب کے بادل چھٹ جائیں گے بلکہ خوشحالی، ایثار اور ہمہ جہت ترقی کی آغاز ہوگا، یہی نہیں بلکہ دنیا میں محبت، رواداری اور امن وآشتی کا دور دورہ ہوگا، خانقاہوں کو فعال بنانے کے لیے مزارات کو غیر شرعی امور سے پاک کیا جائے، نیز مشائخ کے جانشینوں کی اعلی تعلیم اور خصوصی تربیت کا اہتمام ضروری ہے- مشائخ کے صاحبزادگان کی عمدہ تربیت کے ذریعے خانقاہوں کو بہت فعال بنایا جاسکتا ہے، اِن صاحبزادوں کی تعلیم وتربیت کا اُسی طریقے سے اہتمام کیا جائے جیسے حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم میاں مدظلہ العالی نے شہید بغداد کی تعلیم وتربیت کے لیے کیا تھا- خانقاہوں کے وابستگان کو شریعت وطریقت کا درس دیا جائے، نفرتوں کی آگ بجھانے اور محبت کی خوشبو پھیلانے کا اہتمام کیا جائے تو قدرتی وسائل سے مالا مال امت مسلمہ کے دکھوں کا مداوا ممکن ہوگا- ہماری خانقاہوں کے ساتھ عصری اور دینی تعلیم کے امتزاج پر مبنی درسگاہوں کا قیام بھی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے- ہماری خانقاہیں ہسپتالوں کی تعمیر، یتیم بچوں اور بچیوں کی تعلیم وتربیت اور کفالت کی صورت میں ویلفیئر کا بہت کام کرسکتی ہیں، نادار طلبہ کو آرٹس، میڈیکل سائنسز، فارمیسی، کمپیوٹر سائنس اور انجینیرنگ کی تعلیم کے لیے اسکالرشپ جاری کرسکتی ہیں- مغربی ممالک میں عرب اور افریقی ممالک کے شیوخ طریقت نے ہی نوجوان نسل کو اسلام کی طرف متوجہ کیا ہے، اِن صوفیہ کے ذریعے اسلام کا نور، تعلیم یافتہ لوگوں کے دلوں پر دستک دے رہا ہے- انسانیت کی الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے کے لیے بہت زیادہ اخلاص، للّٰہیت، حکمت ودانش اور صوفیہ کے طرز اصلاح کی ضرورت ہے، ہماری خانقاہیں حقیقی معنوں میں آباد ہوجائیں تو چشم فلک بھی دیکھے گی کہ فرنگی تہذیب کی بھول بھلیوں میں سرگرداں اور خود ’’اپنے خنجر سے خودکشی کرنے والی مغربی تہذیب‘‘ کے ستائے ہوئے لوگ علم کے نور سے آراستہ، وسعت نظری اور انسان دوستی کا جذبہ رکھنے والے صوفی ریفارمرز کے دامن سے وابستہ ہوکر کیسے اکتسابِ فیض کرتے ہیں-

جام نور: علما کے مابین فقہی اور فرعی مسائل میں اختلاف رائے کے

باوجود جنگ و جدال کا ماحول نہیں ہوتا، جب کہ پاک و ہند میں فروعی مسائل کی بنیاد پر آپسی تکفیر و تفسیق کا ماحول گرم ہے،عقائد ونظریات میں اتحاد کے باوجود ایسا کیوں ہے؟ اس فرق کو کیسے ختم کیا جاسکتا ہے؟

ڈاکٹر سدیدی: اخلاقی بے راہ روی، اعتقادی گمرہی اور مذہب بیزاری کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟ اگر ہم نے اِس صورت حال کو نہ سمجھا تو ہمارا زوال رکنے کی بجائے تیز تر ہوجائے گا اور ہماری آنے والی نسلیں دین و مذہب اور اخلاقی اقدار سے کتنی دور ہوجائیں گی، اِس سوال کا جواب ہمارے وہم وگمان سے بھی زیادہ خوفناک اور بھیانک ہے،مغربی تہذیب ہمارے بچوں کے دل ودماغ پر اپنی گرفت مضبوط کرتی جارہی ہے، اسلامی دنیا میں نوجوان نسل کس قدر اخلاقی ،نظریاتی اور اعتقادی انحطاط کی شکار ہے، زبان اُسے بیان کرتے ہوئے کانپتی ہے،مگر ہم ہیں کہ اپنے چھوٹے چھوٹے دائروں میں رہتے ہوئے اِس خوش فہمی میں ہیں کہ ''اسلام ہے آزاد'' اور ہمیں اپنی ترجیحات متعین کرنے کی فرصت نہیں- ہماری آنے والی نسلیں ہماری اِس غفلت کو کبھی معاف نہیں کریں گی-حضرت بابا فرید گنج شکر رحمہ اللہ تعالی کی خدمت میں کسی نے قینچی پیش کی تو آپ نے تحفہ قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا: ''قینچی کاٹتی ہے، اِس لیے ہم یہ تحفہ قبول نہیں کریں گے اور اگر تم نے تحفہ پیش کرنا ہی ہے تو سوئی دھاگہ پیش کرو جس سے جوڑنے کا کام لیا جاتا ہے-'' آج تو مکالمہ بین المذاہب کی ضرورت ہے، جس کے نتیجے میں اضطراب اور اخلاقی تباہی کے دہانے پر پہنچے ہوئے مغربی نوجوانوں کو اسلام کی آغوش میں لایا جاسکتا ہے،نوجوان نسل کے اخلاق، کردار اور افکار کو سنوارنے کی شدید ضرورت ہے، مگر ہم ہیں کہ احوالِ زمانہ سے بے خبر اور بڑھتی ہوئی اخلاقی بے راہ روی اور اعتقادی گمراہی سے بے پرواہ عقائد ونظریات میں اتحاد و یگانگت کے باوجود اصول اور فروع کی تفریق کے بغیر باہمی اختلافات کا بازار سجائے بیٹھے ہیں اور اسلام دشمنوں کے لیے راحت جاں کا ساماں کئے ہوئے ہیں- اپنی اِسی دھن میں مگن رہنے پر مصر ہیں-ہمیں اسلام دشمنوں کی طرف سے تہذیبی اور ثقافتی جنگ کا سامنا ہے،ہمیں اپنی نوجوان نسل اور آنے والی نسلوں کی حفاظت کے لیے اپنی بساط کے مطابق نہایت تحمل،حکمت و دانش اور بردباری کے ساتھ بیداری شعور کا ہدف حاصل کرنا ہے- یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالی کے خلیفہ، سفیر اسلام علامہ شاہ عبد العلیم میرٹھی رحمہ اللہ تعالی نے مذاہب عالم کو لادینیت اور سیکولرازم کا مقابلہ کرنے کے لیے اتحاد کی دعوت دیتے ہوئے ایک بین المذاہب تنظیم کی بنیاد رکھی تھی، اُس وقت کے مسیحی پوپ کو ایک خط بھی روانہ کیا تھا،علاوہ ازیں ملت اسلامیہ کے باہمی اتحاد کے لیے بھی ایک تنظیم قائم کی تھی، اِن تمام ادیان کے ماننے والوں نے لادینیت کے حوالے سے تشویش کا اظہار کیا تھا- شاہ عبد العلیم میرٹھی رحمہ اللہ تعالی کے مشن کو ڈاکٹر فضل الرحمن انصاری نے زندگی بھر جاری رکھا، اِس پہلو پر بھی روشنی ڈالنی چاہیے-

جام نور: ہندو پاک میں ایک طبقے کی جانب سے پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کی مخالفت زوروں پر ہے،اس کے باوجود آپ اُن کے قائم کردہ ادارے ''منہاج یونیورسٹی''میں تدریس سے وابستہ ہیں،اس وابستگی سے آپ کو کس طرح کی پریشانیاں لاحق ہیں؟ اور اس سلسلے میں آپ کا نقطۂ نظر کیا ہے؟

ڈاکٹر سدیدی: 'الازہر یونیورسٹی' قاہرہ سے عربی زبان وادب میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگری رکھنے کے باوجود تقریباً دس سال گزر گئے ہیں، مگر پاکستان کی کسی سرکاری یونیورسٹی میں جاب حاصل کرنے میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی ، والحمد للہ علی کل حال- ہمارے یہاں یونیورسٹیز میں عربی کی سیٹیں بہت کم ہوتی ہیں، اِس پر مزید ستم یہ کہ تعلیمی اداروں میں میرٹ کی دادرسی کم ہے، جب کہ سیاسی اور مسلکی اثر ورسوخ زیادہ ہے، اِس تناظر میں گھر سے دور ایک پرائیویٹ یونیورسٹی کے بعد اب منہاج یونیورسٹی، لاہور میں تقریباً دو سال سے تدریسی فرائض سرانجام دے رہا ہوں، بی ایس عربی، ایم فل عربی اور پی ایچ ڈی عربی کی کلاسز کو پڑھا رہا ہوں، میں نے بلاغت،علم العروض،ادبی تنقید،لسانیات،اسلوب تحقیق اور دیگر موضوعات پڑھائے ہیں، کئی مقالہ جات کا نگراں رہا ہوں- منہاج یونیورسٹی پروفیشنل بنیادوں پر کام کررہی ہے، مجھے یونیورسٹی انتظامیہ کی طرف سے تنظیمی یا تحریکی سرگرمیوں میں شرکت پر کبھی مجبور نہیں کیا گیا،نہ قائد تحریک کے افکار ونظریات کے حوالے سے کوئی تائیدی بیان جاری کرنے کے لیے کہا گیا ہے-منہاج یونیورسٹی میں جامعہ نظامیہ رضویہ، جامعہ نعیمیہ اور

دعوت اسلامی کے تعلیم یافتہ افاضل اور مفتی صاحبان اسلامیات میں ایم فل کررہے ہیں، اُن کے ساتھ کسی قسم کا امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جاتا، جب کہ سرکاری سرپرستی میں چلنے والی بعض یونیورسٹیز میں ہمارے طلبہ کو مسلکی تعصب کا سامنا کرنا پڑتا ہے-

جام نور: علمی و تحقیقی فضا کی تشکیل اور دعوتی و تبلیغی کاموں میں توسیع کے لیے کن امور پر توجہ دینے کی ضرورت ہے؟

ڈاکٹر سدیدی: سب سے پہلے تو قلوب واذہان میں متاع کارواں لٹ جانے کا احساس اور ادراک اجاگر کرنا ہوگا، پھر علمی و تحقیقی فضا کی تشکیل کا راستہ ہموار ہوگا، کیوں کہ یہاں تو سوچوں میں اِس درجہ کی سطحیت ہے کہ اچھے خاصے ''معتبر حضرات'' کا نہ تو ملکی سطح کا وژن ہے، نہ اُنہیں عالمی سطح پر بدلتے حالات کی کچھ خبر ہے، اُنہیں یہ بھی اندازہ نہیں کہ ہمارا کتنا قومی، ملی اور نظریاتی نقصان ہو چکا ہے-تعمیر و ترقی کا شعور تو دور کی بات ہے یہاں تو احساس زیاں کا کرب ہی دکھائی نہیں دیتا-اِس حوالے سے سیمینارز اور لٹریچر کے ذریعے شعور و آگہی کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے، آج ہم قرآن اور صاحب قرآن کا دامن تھام کر علم کی راہوں پر نکلیں تو اسلامی دنیا میں گئے گزرے نظام تعلیم کے باوجود ابھی بھی اتنا ٹیلنٹ ہے کہ نوجوان نسل ابھی بھی سائنس اور ٹیکنالوجی کے مختلف شعبوں میں پسماندگی کو دور کرسکتی ہے-اب بھی اگر نوجوانوں میں تحقیق کا ذوق وشوق اور بہتر تعلیمی ماحول پیدا کردیا جائے تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے-دینی محاذ پر بھی دلیل اور برہان کو فروغ دینا چاہیے، اختلاف رائے جس قدر تحقیق اور علمی دلائل پر مبنی ہوگا اُسی قدر اُس کے ثمرات بہتر ہوں گے، اِس کی بہترین مثال ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری کی تفسیر 'ضیاء القرآن' اور 'ضیاء النبی' ہے، علاوہ ازیں علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی کی تفسیر 'تبیان القرآن'، 'شرح صحیح مسلم'، اور 'نعمۃ الباری' بھی ہیں- اِن کتابوں کو اپنے پرائے سب مانتے ہیں، مختلف یونیورسٹیز میں اِن کتابوں پر ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالے لکھے جارہے ہیں-

میں نے آپ سے بھی 'عالم ربانی نمبر' کی اشاعت کے موقع پر گزارش کی تھی، اب دوبارہ بھی عرض کئے دیتا ہوں، آپ کی مصروفیات کا اعتراف ہے کہ خالصتاً تحقیقی بنیادوں پر ایک ''ریسرچ جرنل'' کا آغاز کریں جس میں شائع ہونے والے ریسرچ آرٹیکلز کی بنیاد پر کالجز اور یونیورسٹیز کے اساتذہ کو ترقیاں مل سکیں-ہمارے یہاں جی سی یونیورسٹی فیصل آباد سے ''الاحسان'' کے نام سے ایک شش ماہی ''ریسرچ جرنل'' شائع ہو رہا ہے، جس میں تمام تحقیقی مقالات تصوف ہی کے بارے میں ہوتے ہیں، اِس کا تیسرا شمارہ منظر عام پر آچکا ہے، یہ مجلہ برصغیر پاک و ہند کی کسی یونیورسٹی سے خالصتاً تصوف اور تحقیقی بنیادوں پر شائع ہونے والا پہلا ریسرچ جرنل ہے-علاوہ ازیں کراچی کی شاہد فاؤنڈیشن کے زیر انتظام خالصتاً تحقیقی بنیادوں پر ''شاہد'' کے عنوان سے ایک ریسرچ جرنل کا جنوری ۲۰۱۵ء سے آغاز کردیا گیا ہے، جس میں شائع ہونے والے تمام ریسرچ آرٹیکلز سیرت طیبہ سے متعلق ہوں گے-اِس کے پہلے شمارے سے ہی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مجلہ بھی ان شاءاللہ یونیورسٹیز کے معیار کا ہوگا، یہ مجلہ اپنے تحقیقی معیار کے تناظر میں برصغیر کا پہلا مجلہ ہے-احباب کو اِن دونوں میں لکھنے کی طرف متوجہ کریں-

جام نور: کیا آپ کو نہیں لگتا کہ ہمارے یہاں اسلاف شناسی کا مزاج نہیں رہا اور عمداً بڑے بڑے علما، مشائخ اور خانقاہوں کی خدمات کو نظر انداز کیا گیا، جس کی وجہ سے ناقابل تلافی نقصانات سامنے آئے؟

ڈاکٹر سدیدی: اسلاف شناسی کے حوالے سے تغافل کا شکوہ یقیناً درست ہے، اکثر بڑے بڑے علما، مشائخ اور خانقاہوں کی خدمات کو اجاگر نہیں کیا جاسکا، جس کا اب ازالہ ہونا چاہیے، یونیورسٹیز کی نگرانی میں سنی علما اور مشائخ کی دینی و علمی خدمات پر لکھے گئے ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالہ جات طبع کروانے کا اہتمام کیا جائے تو یہ خلا بہت حد تک پر ہوسکتا ہے، حضرت والد گرامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''تذکرۂ اکابر اہل سنت'' لکھ کر اِس خلا کو پر کرنے کی اپنی سی کوشش کی تھی، جس پر مختلف لوگوں نے تحسین کے کلمات کہے، خاص طور پر ڈاکٹر مختار الدین آرزو نے اپنے ایک مکتوب میں فرمایا تھا: ''سب سے زیادہ خوشی آپ کی کتاب 'تذکرۂ اکابر اہل سنت' دیکھ کر ہوئی -۸۷۱ علمائے پاکستان کا کیسا گراں قدر تذکرہ آپ نے مرتب کردیا جن کے حالات جاننے کے لیے ہم ہندوستانی طلبہ کتنی کتابیں، رسائل و اخبارات الٹتے پلٹتے رہتے ہیں، لیکن اُن کی سوانح حیات اور اُن کی تصانیف کا پتا نہیں چلتا-خدا آپ کو تندرست اور خوش وخرم رکھے کہ اِس کی دوسری جلد بھی آپ

مرتب کر سکیں اور جن علما کا ذکر اِس جلد میں نہ آسکا ہے وہ دوسری جلد میں آجائے-'' والدگرامی نے ذی علم شخصیات کے حوالے سے ''نورنور چہرے'' اور ''عظمتوں کے پاسبان'' کے عنوان سے دو مزید تذکرے بھی مرتب فرمائے جو اُن کی زندگی میں شائع ہوگئے تھے، اُن کی تصنیف ''تذکرۂ اکابر اہل سنت'' کے بعد پاکستان اور ہندوستان سے علمائے اہل سنت کے کئی تذکرے منظر عام پر آئے-اِس حوالے سے اردو اور عربی میں وقیع کام ہمارے اہل علم پر قرض ہے، جسے چکانے کی جلد کوشش کی جانی چاہیے-

جام نور: آپ کے والد حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمہ اللہ کی دینی خدمات ناقابل فراموش ہیں، جنہوں نے اپنی زندگی کے آخری عہد میں قرآن کریم کا اردو میں ترجمہ ''**انوار الفرقان فی ترجمۃ معانی القرآن**'' کے نام سے کیا، جو کچھ ماہ قبل اشاعت پذیر ہوکر منظر عام پر آیا ہے-انہیں ''کنزالایمان'' کے بعد نئے ترجمۂ قرآن کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

ڈاکٹر سدیدی: ایک صاحب نے میری موجودگی میں والد گرامی رحمہ اللہ تعالی سے یہی سوال کیا تو اُنھوں نے سوال کرنے والے سے اُلجھے بغیر فرمایا تھا: میں نے یہ ترجمہ لوگوں کے لیے نہیں، اپنے لیے کیا ہے-ایک موقع پر اُنہوں نے مجھے فرمایا تھا کہ ''قرآن کریم کا ترجمہ کرتے ہوئے جو مفاہیم مجھ پر منکشف ہوئے ہیں، وہ اِس سے پہلے عیاں نہ تھے-'' اُن کی خواہش تھی کہ ترجمہ پڑھنے والوں کو ترجمہ سمجھ آئے، لہٰذا اُنہوں نے قارئین کو آسان اور شستہ اسلوب میں ترجمہ سمجھانے کی کوشش کی-اُنہوں نے ترجمہ کے دوران 'کنزالایمان' اور دیگر کئی اردو تراجم کو پیش نظر رکھا اور کہیں کسی سنی عالم کے ترجمے کو نیچا دکھانے کی کوشش نہیں کی-ایک جگہ آپ نے غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی اور دیگر کئی مترجمین سے مختلف ترجمہ کیا، آپ نے تحدیث نعمت کے طور پر کسی کی تنقیص کے بغیر اپنا منفرد ترجمہ بیان کیا، پھر فرمایا: ''میں حضرت غزالی زماں کے قدموں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہوں، مگر اللہ تعالی کے فضل وکرم سے جو مفہوم مجھے سمجھ آیا ہے وہ یہ ہے-'' مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ مجھے بزرگوں کے احترام کا سبق ازبر کروا رہے تھے، میرے لیے یہ سبق ناقابل فراموش ہے، ہمیں اختلاف رائے کے باوجود دوسروں کا احترام ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے-یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ صدیوں سے قرآن کریم کی تفسیریں لکھی جارہی ہیں-لغوی، صرفی نحوی، بلاغی، ادبی، فقہی، کلامی، صوفی، اشاری، کونی (کائنات میں غور وفکر پر مشتمل) تقلیدی (روایتی) اور تجدیدی اسلوب میں تفاسیر لکھی گئیں-قرآنی آیات میں نہاں سائنسی حقائق پر مشتمل تفسیری رجحان بھی منظر عام پر آرہا ہے، جس پر ہمارے ممدوح علامہ اُسید الحق بدایونی نے اپنی ایک تصنیف میں روشنی ڈالی ہے، مگر کوئی تفسیر اِس معنی میں حتمی اور آخری نہیں ہے کہ اِس کے بعد مزید تفسیر کی گنجائش نہیں، ماضی کی طرح ہر دور میں قرآنِ کریم کی تفاسیر لکھی جاتی رہیں گی، ہر دور اور ہر خطے کے مطابق قرآنِ کریم کے معجزات ظاہر ہوتے رہیں گے، اِسی طرح دنیا کی چھوٹی بڑی زبانوں میں قرآنی تراجم کا سلسلہ بھی جاری رہے گا، بعد میں آنے والے لوگ پہلے تراجم سے استفادہ بھی کریں گے اور اپنے تراجم میں نئے قرآنی حقائق سے بھی پردے اٹھائیں گے-ہر ترجمے کی اپنی اہمیت اور اپنی خوبیاں ہوں گی اور ہر مترجم، قرآن فہمی کے فروغ میں اپنا حصہ شامل کرتا رہے گا، کیوں کہ قرآنِ کریم کے بارے میں علما نے بجا طور پر فرمایا ہے: ''**القرآنُ معجزۃٌ لاتنقضی عجائبہ**-'' (قرآن ایک ایسا معجزہ ہے جس کے محیر العقول اَسرار کبھی ختم نہیں ہوں گے)-

جام نور: شہید بغداد مولانا اُسید الحق قادری بدایونی سے آپ کے گہرے دوستانہ مراسم رہے، ان کے تعلق سے کچھ کہنا چاہیں گے؟

ڈاکٹر سدیدی: علامہ اُسید الحق قادری بدایونی رحمہ اللہ تعالی میں قدرت نے علمی وادبی ذوق، وسعتِ مطالعہ، تحریری صلاحیت اور دیگر بہت سی خوبیاں ودیعت فرمائی تھیں، اُن سے بہت توقعات وابستہ تھیں، اُن کی شہادت سے علم وفضل کا ایک زریں عہد ختم ہوگیا، اُن کی یادیں عمر بھر ساتھ ساتھ رہیں گی، ہمارے بعض احباب، مثلاً حکیم عظمت اللہ نعمانی وغیرہ نے ٹیلیفون اور انٹرنیٹ کے ذریعے حضرت سے رابطہ رکھا اور اُن سے خوب استفادہ کیا-آپ محققین کے ساتھ بہت تعاون فرمایا کرتے تھے، کسی کو اپنی جیب سے کتب فوٹو اسٹیٹ کروا کے دیتے، کسی کو اسکین کروا کے بھیجتے، کسی محقق یا ناشر کو مالی معاونت کی ضرورت ہوتی تو عثمانی ہونے کا حق ادا کر دیتے، وہ علم اور معلومات کے حوالے سے

بخل نہیں سخاوت کے قائل تھے، یہی نہیں وہ دوستوں کے دوست اور بزرگوں کا احترام کرنے والے عظیم انسان تھے- مجھے بے پناہ خوشی ہے کہ اُنہوں نے اپنی تصنیف ''خیر آبادیات'' پر مجھے کچھ لکھنے کے لیے فرمایا، پھر جب ہمارے دوست جناب رضاء الحسن قادری صاحب حضرت کی تصنیف ''فرزدق تمیمی کا قصیدۂ میمیہ، ایک تحقیقی مطالعہ'' چھاپ رہے تھے تو اُنہوں نے حضرت سے اجازت طلب کی کہ وہ اِس پر مجھ سے تقریظ لکھوالیں تو آپ نے بخوشی اجازت فرمائی اور پھر راقم کو بہت محبت بھرے الفاظ سے یاد فرمایا جو اِس کتاب کے مقدمہ میں مرقوم ہیں- اُن کی اِس محبت کی یاد ہمیشہ دل میں مہکتی رہے گی- ہمارے کرم فرما ڈاکٹر محمد منیر الازہری صاحب کے ساتھ حضرت کی بے تکلفی تھی، ایک مرتبہ حضرت نے ڈاکٹر صاحب کی خوش طبعی اور زندہ دلی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''ڈاکٹر صاحب بھی خوب آدمی ہیں-'' علامہ منظر الاسلام ازہری صاحب سے حضرت شہید اُسید الحق صاحب کی رشک آمیز محبت تھی- میرا خیال ہے کہ ہندوستان اور قاہرہ میں جن دوستوں نے بھی حضرت کی صحبتیں اٹھائی ہیں، اُن میں سے کوئی بھی اُنہیں عمر بھر فراموش نہیں کر سکے گا- اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے-

جام نور: اخیر میں ماہنامہ جام نور اور اس کے قارئین کے لیے آپ کا کوئی پیغام؟

ڈاکٹر سدیدی: اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے دنیا بھر میں شدت پسندی کا جو پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے، اُس تناظر میں ہر مسلمان کو بالعموم اور ذی علم مسلمانوں کو بالخصوص مثبت کردار ادا کرنا چاہیے، جدید ترین ذرائع ابلاغ کی بدولت دنیا پہلے تو ایک گاؤں میں تبدیل ہوئی تھی اب مزید سمٹ کر ایک کٹیا بن گئی ہے، اگر ہم نے زمانے کے احوال کو نظر انداز کیے رکھا تو قیامت کے دن ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں جواب دہ ہوں گے- مسلمانوں اور انسانیت کے بہتر مستقبل کے لیے اہل علم کو سر جوڑنا ہوگا- اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ جام نور کو بیداری شعور مہم میں مخلص احباب عطا فرمائے- جس راستے پر آپ اپنے عزیز از جاں دوست حضرت شہید بغداد کی رفاقت میں چلے تھے، اللہ تعالیٰ اُس راستے کو منزل سے آشنا فرمائے-

□□□

Rs. 15/-

ISSN 2454–938X



NOVEMBER 2015

تکفیر کے اصول واحکام

فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے

فقہ: مقاصد شریعت کے ادراک کا نام ہے

شدت پسندی کی آگ کو صوفیہ ہی بجھا سکتے ہیں

منہاج القرآن یونیورسٹی، لاہور کے استاذ **ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی** سے خصوصی گفتگو

دارالافتا سے بے اعتمادی!

اکیسویں صدی میں دارالافتا اپنی اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے زوال وادبار کے آخری دور سے گزر رہا ہے اور امت کے عام افراد کے ساتھ علما کا اعتماد بھی اس سے اٹھتا چلا جا رہا ہے۔

بفیض کرم
فیض العارفین حضرت علامہ شاہ غلام آسی پیا حسنی جہانگیری الہ آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بانی
قائد اہل سنت رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان



تیرھواں دور/ ۱۴۰ رواں جام

نومبر ۲۰۱۵ء

محرم الحرام/صفر المظفر ۱۴۳۷ھ

فی شمارہ :	15/=
زرسالانہ :	240/-
قیمت پاکستان میں	50/=
بیرون ملک (ہوائی ڈاک)	30$ امریکی ڈالر 20£ پونڈ
لائف ممبر شپ (اندرون ملک)	6000/-
لائف ممبر شپ (بیرون ملک)	300$ امریکی ڈالر

پرنٹر، پبلیشر، پروپرائٹر غلام ربانی نے اسٹار آفسیٹ A/2229 احاطہ جگن بی، رودگران، لال کنواں، دہلی ۶ سے طبع کرا کر آفس "ماہنامہ ملت کا ترجمان جام نور" ۴۲۲ مٹیا محل جامع مسجد، دہلی ۶ سے شائع کیا

مراسلت وترسیل زر کا پتہ

ملت کا ترجمان جام نور

۴۲۲ مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی-۶

MILLAT KA TARJAMAN
JAAM-E-NOOR (Monthly)
422, Matia Mahal,
Jama Masjid, Delhi-110 006
E-mail : jaamenoor@gmail.com
k_noorani@yahoo.com
Website
www.khushtarnoorani.in

شکایت/معلومات

رسالے سے متعلق کسی بھی طرح کی شکایت یا معلومات کے لیے ۴ سے ۶ بجے شام کے درمیان دیے گئے نمبر پر فون کریں:

011-23281418, 23261418

پاکستان میں جام نور حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں:

دار الاسلام

جامع مسجد محلہ مولانا روحی، اندرون بھاٹی گیٹ، لاہور (پاکستان)

0321-9425765 darulislam21@yahoo.com

نوٹ: آپ کو ملنے والے رسالے کے لفافے پر (پتے کے اوپر) اس شکل میں 3040/Jan-06-Dec.07 آپ کی ممبری فیس کی مدت لکھی ہوئی ہے، براہ کرم رسالہ پڑھنے سے قبل اسے دیکھ لیں، اگر آپ کی ممبری فیس ختم ہوگئی ہو تو اولین فرصت میں تجدید کرا لیں، ورنہ ہم آپ کو رسالہ بھیجنے سے معذور ہوں گے۔ **ادارہ**

بانگ درا

"آج کل عادت یہ ہوگئی ہے کہ جس کے پاس مفتی کا فتویٰ ہوتا ہے وہ اپنے مخالف کو دبانے لگتا ہے اور اپنے اس قول کی بنا پر ہی غالب آجاتا ہے کہ مفتی نے میرے موافق فتویٰ دیا ہے، جب کہ مخالف بے چارے کو علم ہی نہیں ہو پاتا ہے کہ فتوے میں کیا ہے؟ اس لیے مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہوشیار رہو اور لوگوں کی چالاکیوں اور مکاریوں سے آگاہ رہے۔ جب مفتی کے پاس استفتا آئے تو وہ مستفتی سے صورت مسئولہ کو متعین کرا لے، یہ نہ کہے کہ یہ صورت ہو تو بات تمہاری صحیح ہوگی اور یہ صورت نہ ہو تو تمہارے مخالف کی بات صحیح ہوجائے گی، کیوں کہ ایسا کہنے میں مستفتی اپنے مطلب کی بات کو اختیار کرلے گا اور جھوٹے گواہوں کے ذریعے ثابت کردے گا۔ مفتی، ممکن حد تک وکالت بھی قبول نہ کرے، کیوں کہ اس دور میں وکلا کو حیلہ جوئی، دھوکہ دہی سے بات پلٹنے اور باطل کو حق کی صورت میں پیش کرنے کی مہارت ہوتی ہے۔"

علامہ ابن عابدین شامی
ردالمحتار، ج:۸، ص:۳۰